ہم ترقی کرنا ہی نہیں چاہتے!

مشرقی پاکستان 1971ء میں بنگلہ دیش بن چکا تھا۔ایک خون ریز خانہ جنگی، جس میں آج تک معلوم نہیں ہو سکا کہ کتنے لوگ مارے گئے، اپاہج ہو گئے۔ کتنی مالیت کی جائیداد ضائع ہو گئی اور کتنی ہولناک بربادی کی گئی۔ بنیادی وجہ شائد یہ بھی ہے کہ اس طرح کی تلخ حقیقتوں پر ہمارے جیسے عدم تحفظ کے شکار ملک میں دلائل کی روشنی میں بات کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ہمارے ذہنوں میں ایک انتہائی عجیب طرح کی سوشل انجینئرنگ کی گئی ہے۔ جس کے بعد ہم بنیادی سوالات اُٹھانے کی ہمت اور استطاعت سے محروم کر دیے گئے ہیں۔ مگر ایک غور طلب بات ہے کہ یہ ایک حیرت انگیز عمل تھا جس میں اکثریت آبادی نے اقلیت کو چھوڑا تھا۔اگر ہمارے پاس اوسط درجے کی قیادت موجود ہوتی تو علیحدگی، حد درجہ خون ریزی کے بغیر بھی ہو سکتی تھی۔اچھی قیادت کی گزارش نہیں کر رہا۔ قیادت کا بحران پاکستان کے وجود میں آنے سے شروع ہوا اور آج تک قائم ودائم ہے۔ ہو سکتا ہے آپ کو اس جملے سے اختلاف ہو۔کیونکہ ہم لوگ مختلف سیاسی قائدین کو دیوتا بنا کر پوجتے ہیں۔ مگر سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ ان لوگوں نے ہمارے ملک کو دیا کیا۔کیا واقعی بہتر برس میں ہم ترقی کر پائے۔ شائد آپ کے پاس اس کا مثبت جواب ہو۔ مگر میرے جیسے طالبعلم کے پاس نہیں ہے۔ مبالغہ کے بغیر ہم اقتصادی طور پر موت کے دائرے میں مسلسل گھوم رہے ہیں۔ایک فیصد امیر لوگ ملک کے مالک ہیں۔باقی سب کیڑے مکوڑے اور بے حیثیت شناختی کارڈ ہیں۔

کسی ترقی یافتہ ملک کی بات نہیں کرتا۔ بنگلہ دیش کے حالات کو سامنے رکھیے اور پھر فیصلہ کیجئے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں اور ہم سے کس حد تک جھوٹ بولا جا رہا ہے۔1971 میں بنگلہ دیش کی شرح نمو منفی چودہ فیصد تھی۔ یہ دنیا کا غریب ترین ملک تھا۔ مکمل طور پر تباہ شدہ اور پانی میں غرق۔ آج معیشت کی نمو کی شرح آٹھ فیصد ہے۔ بلکہ کئی بین الاقوامی اداروں کا خیال ہے کہ یہ آٹھ فیصد سے بڑھ کر نو فیصد تک جا سکتی ہے۔ معیشت کی ترقی کی یہ شرح انڈیا سے بھی زیادہ ہے۔المناک دکھ تو یہ ہے کہ ورلڈ اکانومک فورم کے تجزیہ کے مطابق پاکستان کی معیشت 2.8 فیصد کے حساب سے ترقی کریگی۔اس سال یعنی 2020 میں ہم افغانستان سے بھی پیچھے رہ چکے ہیں ۔یہ ہمسایہ ملک جہاں آج بھی جنگ ہو رہی ہے 3.4 فیصد کی شرح سے ترقی کر رہا ہے۔ملاحظہ فرمائیے کہ کہاں آٹھ فیصد اور کہاں، 2.8 فیصد۔یہ تفصیلات آپ ورلڈ اکانومک فورم کی سائٹ پر آرام سے حاصل کر سکتے ہیں۔ یو این ڈی پی کی ہیومن ریورس انڈکس رپورٹ بھی چونکا دینے والی ہے۔ مگر یہاں تو فکر کرنے کا وقت ہی کسی کے پاس نہیں ہے۔لہذا کسی قسم کا کوئی افسوس نہیں۔H.D.I انڈکس میں پاکستان کی صورتحال بنگلہ دیش اور نیپال سے بھی نیچے ہے۔پاکستان میں انسان کی اوسط عمر 67 برس ہے۔نیپال میں یہی اوسط عمر ستر برس اور بنگلہ دیش میں بہتر برس تک پہنچ چکی ہے۔ خواتین کو ترقی دینے کے مواقع فراہم کرنے میں بھی بنگلہ دیش ہم سے بہت آگے ہے۔ماحولیات کے زاویے سے دیکھا جائے تو بنگلہ دیش دوبارہ ہم سے کافی آگے ہیں۔ ہم تمام شعبوں میں نیپال سے بھی پیچھے نظر آتے ہیں۔ محیر العقول امر یہ بھی ہے کہ بنگلہ دیش کی کرنسی ہم سے بہت مستحکم ہے۔ایک بنگالی ٹکہ، پاکستان کے تقریباً دو روپے کے برابر ہے۔ بجلی کی قیمتوں میں بھی بنگلہ دیش، انڈسٹری اور عام لوگوں کو ہم سے بہتر ریٹ فراہم کر رہا ہے۔ایک انتہائی اہم بات۔ایک کلوواٹ کی گھریلو صارفین کیلئے قیمت پانچ ٹکے ہیں تو صنعتی صارفین کیلئے یہ 8.5 ٹکے ہیں۔ یعنی 0.101 ڈالر کے برابر۔پاکستان میں صنعتی صارفین کیلئے بجلی کے ریٹ بیس روپے کے لگ بھگ ہیں۔یعنی بنگلہ دیش سے تھوڑے سے زیادہ۔ مگر واویلا ہماری طرف ہے اور ترقی انکی طرف۔

ایک انتہائی اہم بات کرنا چاہتا ہوں۔ کرپشن بنگلہ دیش اور پاکستان میں حد درجہ زیادہ ہے۔ ہندوستان بھی کسی طرح اس میدان میں پیچھے نہیں ہے۔ مہیب کرپشن کے باوجود بنگلہ دیش اور ہندوستان ترقی کر رہے ہیں۔اور ہم اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں۔اسکا مطلب یہ ہے کہ کرپٹ ملک بھی ترقی کر سکتے ہیں۔پھر ہمارا مسئلہ کیا ہے۔ ہم اتنے بے بس اور بے سہارا سے کیوں ہیں۔اس سوال کا کوئی بھی سادہ جواب نہیں ہے۔ عرض کرتا چلوں۔ہرگز عرض نہیں کر رہا کہ کرپشن کم نہیں ہونی چاہیے۔بالکل ہونی چاہیے۔ مگر صرف کرپشن ہی ترقی نہ کرنے کی وجہ نہیں ہے۔ جانتا ہوں کہ یہ موضوع کالم سے بہت زیادہ طویل ہے۔اس پر تو کتابیں لکھی جانی چاہیے۔ موجود بھی ہیں۔ مگر سچ کو مان کر، آگے بڑھنے کا راستہ دکھانے والا کوئی بھی نہیں ہے۔ سوچیے، ہماری قومی ترجیحات کیا ہیں اور ہم کن بحثوں میں اُلجھا دیے گئے ہیں۔ہمارے نوے فیصد لوگوں کو یقین دلا دیا گیا ہے کہ ایک مسیحا آئے گا اور وہ بزور شمشیر پوری کافر دنیا کو فتح کر لیگا۔اور پھر ہم اقتدارِ کُل کے مالک ہو جائینگے۔ہاں، یہ سب کچھ ہمیں آرام سے مل جائیگا۔اس مسیحا کا انتظار صدیوں سے ہو رہا ہے اور شائد اگلی بیشتر صدیاں ہوتا رہیگا۔اسکا بنیادی مطلب یہ ہے کہ ہم میں سے تحقیق، جستجو، سوال پوچھنے کی استطاعت کو ختم کر دیا جائے۔ تاریخی لوریاں اس درجے طاقت رکھتی ہیں کہ کسی کو بھی خاموش کیا یا کروایا جا سکتا ہے۔

اسلامی ممالک میں ایک بھی ایسا نہیں ہے جس نے اپنی سوسائٹی یا سماج کی بنیاد کو درست کرنے کی کامیاب کوشش کی ہو۔ہاں لیپا پوتی کا عمل ہمیشہ سے جاری وساری ہے۔پاکستان پر بات کرنا زیادہ مناسب ہے۔یہاں دل پذیر نعرے لگانے کو عمل سے زیادہ ترجیح دی جاتی ہے۔ آپ کسی جگہ بھاشن سن لیجئے۔یہ وعدوں سے شروع ہو گا اور دعوؤں پر ختم ہو گا۔ کوئی ٹھوس عملی کام ہرگز ہرگز نظر نہیں آئے گا۔اس پر کشش نعرے بازی میں کوئی بھی لیڈر مستثنیٰ نہیں ہے۔ذوالفقار علی بھٹو سے شروع ہو کر آج تک آجائیے۔باتیں ہی باتیں ہیں۔ غربت ختم کرنے کا نعرہ، معاشی، سماجی، اقتصادی انصاف کے فلک شگاف اعلانات، باعزت روزگار، کاروباری اور صنعتی اصلاحات سب کے سب سراب ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ سیاستدانوں کا بھی اس میں روائتی رول ہے۔ مگر اکثریت دانشور، مذہبی قائدین بھی اسی گراوٹ کا شکار ہیں جو عمومی طور پر موجود ہیں۔ اگر آپ سچ بولنے کی جرات کرینگے تو یا آپکو پابند سلاسل کر دیا جائیگا یا آپکو قتل کر دیا جائیگا۔اسکے علاوہ کوئی درمیانی راستہ ہے ہی نہیں۔ صرف جعلی اعلانات اور کھوکھلے وعدوں پر کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی اور ہم بھی نہیں کر سکتے۔ ہمارے معاشرے کی بنیاد دراصل جھوٹ اور مبالغہ آرائی ہے۔ایک حد درجہ محترم مذہبی شخص جو لوگوں کو رلانے اور ہنسانے کا فن جانتے ہیں۔ ہمیشہ سادگی کی بات کرتے ہیں۔ مگر جس گاڑی میں وہ سفر کرتے ہیں، اس کی قیمت دو کروڑ روپے ہے۔جو سیاسی جماعت مزدوروں، ہاریوں اور پسے ہوئے طبقے کے غم میں ہلکان ہو رہی ہے، اسکے موروثی نوجوان چیئرمین پرائیویٹ ہوائی جہاز میں سفر کرتے ہیں۔ جو سیاسی رہنما شفافیت اور میرٹ کا ڈھول پیٹتے ہیں انکے ہر اکاؤنٹ میں اربوں روپے موجود ہیں۔ وہ ہر سوال کا جواب دے سکتے ہیں۔ مگر اس دولت کا سورس بتانے سے قاصر ہیں۔ جو شخص تبدیلی کے نعرے لگواتا تھا۔ جس نے کہا تھا کہ جب وہ حلف لے رہا ہو گا تو عین اسی وقت گورنر ہاؤس اور عالیشان سرکاری گھروں کے باہر بلڈوزر دیواریں توڑ رہے ہونگے۔وہ بھی اقتدار حاصل کرنے کے بعد جھاگ کی طرح بیٹھ چکا ہے۔ ہر سیاسی قائد کے اردگرد، وہی چہرے، وہی بے درد لوگ، وہی ظالم فریقین اور انوسٹر موجود ہیں۔ہاں ایک بات بھول گیا۔دس بارہ برس پہلے، عدلیہ کے ایک چیف جسٹس کے متعلق نعرے لگوائے جاتے تھے۔ ریاست ہو گی، ماں کے جیسی۔اگر موصوف واپس مسند میں گئے تو ملک میں انصاف کے دریا بہنے شروع ہو جائینگے۔ ہم سب نے دیکھا کہ موصوف واپس ضرور آئے۔ مگر ان کے آنے سے بھی عام آدمی انصاف حاصل نہ کر سکا اور آج بھی یہی صورتحال ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا اس ملک میں کوئی ادارہ اپنی غلطیاں ماننے کیلئے تیار ہے۔جواب نفی میں ہو گا۔جب ہم غلطی ہی تسلیم نہیں کرینگے تو معاملات کو درست کرنے کا عمل کیسے شروع ہو گا۔ بیشتر دانشور اور اہل قلم جو کسی بھی سماج کو زندہ رکھتے ہیں۔وہ بھی اسی بگاڑ میں مکمل شامل ہیں۔اور خوب گنگا نہا رہے ہیں۔ گہرائی سے سوچئے کہ ہمارا مشرقی حصہ جو ہم سے خود علیحدہ ہوا تھا۔ آج ترقی کے میدان میں ہر طریقے سے آگے ہے۔ہمارے جذباتی نعرے جو 1947 میں تھے، آج بھی وہی ہیں۔ ہر ادارہ اور فریق، جذباتیت کی سموک سکرین برپا کر کے ذاتی مالی منفعت میں مصروف ہے۔ گھٹن اتنی ہے کہ آپ کھل کر بات بھی نہیں کر سکتے۔ جوہری نکتہ یہ ہے کہ ہم ترقی کرنا ہی نہیں چاہتے۔ ترقی کرنے والے ملک کوئی اور ہوتے ہیں۔ ہمارا بھلا ان لادین اور کافر معاشروں سے کیا تعلق۔تو صاحبان! یہاں معاملات جوں کے توں رہینگے!